بُوئے گُل نالۂ دِل دُودِ چراغِ محفل

شورش کاشمیری

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل

(سوانح و افکار)

جلدِ اوّل

شورش کاشمیری

www.KitaboSunnat.com

مطبوعاتِ چٹان لمیٹڈ

۸۸- میکلوڈ روڈ، لاہور (مغربی پاکستان)

اشاعتِ اوّل

جولائی ۱۹۷۲ء

تعداد	۲ ہزار
مطبع	چٹان پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر	مطبوعات چٹان لاہور
قیمت	پندرہ روپے

ایک اچھوت، ایک سکھ، ایک اینگلو انڈین اور ایک عیسائی۔ یہ سب مل کر ملک کے آئندہ آئین کا نقشہ بنائیں انہی کے اہتمام میں صوبائی اور مرکزی انتخابات ہوں۔ کانفرنس پہلے دن ہی ناکام ہونے لگی تو قائداعظم کی تحریک پر ۱۴ر جولائی تک التوا ہو گیا، آخر لارڈ ویول نے جانبین سے نمائندوں کے نام طلب کیے۔ قائداعظم کو اصرار تھا کہ مسلمانوں کی نامزدگی کا حق صرف انہی کو ہے، دوسرا کوئی فرد جماعت یا گروہ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویدار نہیں ہو سکتا، مولانا ابوالکلام آزاد کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ انڈین نیشنل کانگرس اگر محض ہندو نامزد کرتی ہے تو اپنی تاریخ اور اس کے موقف سے گر جاتی ہے اس قضیہ کو چکانے کے لیے مولانا نے یہ تو مان لیا کہ وہ کسی کانگرسی مسلمان کو نامزد نہیں کرتے لیکن اپنے کوٹے میں سے ایک نشست لیگ سے باہر کسی بھی مسلمان کو دے سکتے ہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام لیا، ایک دو اور نام بھی لیے گئے لیکن قائداعظم مصر رہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف لیگ ہی کو پہنچتا ہے نتیجۃً کانفرنس ناکام ہو گئی۔ — قائداعظم نے کہا "ہم لارڈ ویول کی تجاویز مان لیتے تو اپنی موت کے وارنٹ پر خود دستخط کرتے، مولانا ابوالکلام آزاد نے بیان دیا کہ کانگرس اگر صرف ہندوؤں کو نامزد کرتی تو وہ گویا اپنے قومی وجود سے دستبردار ہو جاتی۔

غرض شملہ کانفرنس کی ناکامی مسلم لیگ کی عظیم قوت کے مضبوط و مفید ہونے کا سرآغاز ہو گئی، قائدِاعظم نے کانگرس کے ہمنوا مسلمانوں کو ایسا جھٹکا دیا کہ ان کے خلاف سب و شتم کی ایک زبردست لہر پیدا ہو گئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے قائداعظم کو خط لکھا کہ انہیں اپنے مطالبات و شکایات سے مطلع کریں، قائداعظم نے جواب دیا کہ ان کی حیثیت کانگرس کے شوبوائے کی ہے لہٰذا ان سے کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی، قائداعظم نے اپنا جواب پریس کو دے دیا، لیگ کے اخبار اور لیگ کے خطباء اس پھبتی کو لے اُڑے، مولانا ابوالکلام آزاد

کے عقیدت مندوں نے بھی جواب آں غزل کا لہجہ اختیار کیا، لیکن ظاہر ہے کہ گالی بہرحال گالی ہے، مولانا ابوالکلام آزاد سے قائداعظم کے اس طعن پر استفسار کیا گیا تو فرمایا ــــ ہر شخص اپنے لب ولہجہ کا مختار ہوتا ہے، مسٹر جناح نے اپنی عزت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے ــــ

شملہ کانفرنس میں مولانا نے قائداعظم سے مصافحہ کرنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا، ایک اور روایت ہے کہ کانفرنس میں مولانا تقریر کر رہے تھے تو قائداعظم اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذ پر شو لوائے کے حروف بنا رہے تھے، مولانا ان چیزوں سے بھڑکتے نہیں تھے ان کا مزاج ہی دوسرا تھا البتہ ڈاکٹر خان صاحب قائداعظم سے اُلجھ گئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ ہم تم سے بہتر مسلمان ہیں۔ مولانا ابوالکلام کانفرنس سے فارغ ہو کر کلکتہ جا رہے تھے کہ علی گڈھ اسٹیشن پر یونیورسٹی کے طلبہ نے ان کے خلاف زبردست مخالفانہ مظاہرہ کیا، گاڑی روک لی، گالی گفتار کی، اس واقعہ نے مولانا کے مداحوں میں ہیجان پیدا کر دیا، پھر جب تک ملک تقسیم نہیں ہو گیا صورت حال نازک ہی رہی، مولانا اور قائداعظم طیاروں پر سفر کرتے رہے۔

لارڈ ویول نے شملہ کانفرنس کے فوراً بعد مسلم لیگ اور نیشنل کانگریس کے مشترکہ مطالبہ پر جنرل انتخابات کا اعلان کر دیا، ظاہر ہے کہ یہ انتخابات لیگ اور کانگریس کے درمیان تھے اور دونوں اپنے اپنے موقف اور اپنی اپنی طاقت کے اندازہ واظہار پر تلے ہوئے تھے۔ احرار کے مظہر علی اظہر نے شملہ کانفرنس کے موقع پر تو یہ بیان دیا تھا کہ کانگریس مسلمانوں کے حقوق کا تصفیہ لیگ سے کرے کیونکہ لیگ ہی اس مسئلہ میں تصفیہ کرنے کی مجاز ہے، لیکن الیکشن کا اعلان ہوا تو مظہر علی اظہر سب سے پہلے لیگ کے مقابلہ میں ڈٹ کے آ گئے، امیر شریعت سرنگر میں تھے، صدر امرتسر میں تھا، ورکنگ کمیٹی کے بیشتر ارکان لاہور میں مولانا حبیب الرحمن رہا ہو کر آ گئے لیکن لدھیانہ میں تھے، مظہر علی

نے سب کو طاق پر رکھا۔ ایک ایک جلسہ کا اعلان کیا اور جو کچھ تقریر میں کہنا تھا اس کو چار پمفلٹوں میں چھپوا لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی، یہی وہ جلسہ تھا جس میں مظہر علی نے قائد اعظم کی شادی کا شوشہ چھوڑا اور انہیں کافر اعظم کہا:

اک کافرہ عورت کے لیے دین کو بیچا

یہ قائد اعظم ہے کہ ہے کافر اعظم

لاہور کے ہندو اخباروں نے اس شعر کو خوب اچھالا، یونینسٹ پارٹی کے اخبار شہباز نے شہ سرخی جمائی، احرار کو فائدہ کی بجائے نقصان ہوا، عامۃ المسلمین میں ان کے خلاف غصے کی لہریں اور شدید ہوگئیں، مظہر علی نے اگلے روز یہی تقریر امرتسر میں کی، میں خود امرتسر کے اس جلسہ میں موجود تھا اور میری زبان بندی کے احکام اسی دن واپس ہوئے تھے، احباب نے زور دیا کہ کچھ کہوں ـــــ کیا کہوں؟ ظاہر ہے کہ قید اور نظر بندی میں سات سال ہو گئے تھے، مظہر علی جو کچھ کہہ چکے وہ اصلاً انتخابی تقریر نہ تھی بلکہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کے خلاف ذاتی نوعیت کا ایک استغاثہ تھا، اس استغاثہ کو مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے فوراً مسترد کر دیا، احرار پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے مغضوب ہو گئے۔ میں نے اپنی تقریر میں مظہر علی کے خیالات کی نفی کی اور کہا کہ میں ایک گنہگار مسلمان ہوں مجھے کسی کی تکفیر کا حق نہیں پہنچتا، ہم سب مسلمان ہیں، مسئلہ دینی اختلاف کا نہیں سیاسی اختلاف کا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ مسلمان کون ہے اور کافر کون؟

الیکشن ان بنیادوں پر ہو رہے تھے کہ ہندوستان کا آئندہ مقام کیا ہے؟ اور مسلمانوں کا اس مقام میں کیا حصہ ہے لیکن مظہر علی نے قائد اعظم کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے ایک غیر ثقہ کتاب کا سہارا لیا کہ جناح سر ڈینشا پٹیٹ کی بیٹی کو اڑا کر لے گئے اور ان کے ساتھ سول میرج کی تھی۔

مظہر علی میں خطابت کا ولولہ ضرور تھا وہ احرار رضا کاروں کی مسلح جمعیت

کے سلسلے میں سبھی کچھ کہہ گئے، لیکن یہ سب کچھ احرار کے لیے جماعتی رُسوائی اور سیاسی پسپائی کی بنیاد ہوگیا، مظہر علی نے شادی کے علاوہ مدحِ صحابہ کی آڑلی، شہید گنج کا قضیہ چھیڑا، لیگی وزارتوں کے بعض رجعتی فیصلوں کا ذکر کیا اور لیگ کی واحد نمائندگی پر تابڑ توڑ حملے کیے لیکن مسلمان عوام کے لیے اس میں تاثیر و تاثر نام کو نہ تھا، مظہر علی احرار کے قلیل التعداد ہمدردوں کی واہ واہ پر لٹو تھے گویا میدان ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ سیاسی محاذ باندھ کر انتخابی قلعہ فتح کر چکے ہیں ——————

مولانا حبیب الرحمٰن انہی دنوں رہا ہوئے اور اس تقریر سے برہم تھے، انہوں نے دفتر احرار میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "تقریر نہیں تبرّیٰ ہے —————— ہم لوگ واقعی پریشان تھے کہ مولانا مظہر علی نے زنبیل سے کیا چیز نکالی ہے؟ شیخ حسام الدین کان کے کچے تھے، ہر طاقتور لیول سُن کر اسی کے ہو جاتے، اس معاملہ میں اُن کی اپنی کوئی رائے نہ تھی، مظہر علی سے ناخوش تھے لیکن مظہر علی کے ساتھ بھی تھے، مظہر علی نے شاہ جی کے پاس انہیں کشمیر بھیجا کہ ان کی رائے پوچھ لیں، وہاں سے خالی ہاتھ اور خالی ذہن واپس آگئے، جو کچھ بیان کیا واضح نہ تھا ان کے اکھڑے اکھڑے لہجہ سے محسوس ہوتا تھا کہ شاہ صاحب نے ٹال دیا اور کوئی بات نہیں کی ہے بلکہ الیکشن میں حصّہ نہ لینے پر زور دیا ہے، لیکن مظہر علی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے عادی تھے، ورکنگ کمیٹی کو بھی نچا دیا۔ حافظ علی بہادر جو بمبئی سے چل کر آتے اور مسلم لیگ کے پختہ حریف تھے ان کا بھی یہی خیال تھا کہ الیکشن میں حصہ نہ لیا جاتے، مظہر علی کب مانتے؟ دونوں میں سخت الفاظ کا تبادلہ ہوگیا، حافظ جی نے کہا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہیں تو ہمیں اتنی دُور سے بلانے کی ضرورت کیا تھی؟ مظہر علی کی دلیل عجیب تھی کہ آپ مجھے قائدِ احرار کہتے ہیں تو میری بات بھی مانیں، مولانا حبیب الرحمٰن نے کہا: امیرِ شریعت کس مقصد کے لیے ہے؟ اس سے بھی فتویٰ لیں! لیکن مظہر علی نے سب کو نظر انداز کیا اور ریس کا ٹٹو ہو کر نکل پڑے، حتیٰ کہ

احرار امیدواروں کے ناموں کا اعلان کر دیا ـــــ خود سیالکوٹ کے شہری حلقے سے کھڑے ہوتے، امرتسر سے شیخ حسام الدین، سیالکوٹ کے قصباتی حلقے سے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، لدھیانہ سے ماسٹر تاج الدین انصاری لاہور کے دیہاتی حلقہ سے سردار محمد شفیع (سالارِ احرار) لاہور کے سول حلقہ سے میاں محمد رفیق (برادرِ اصغر میاں قمر الدین مرحوم)، اور خان گڑھ سے نوابزادہ نصراللہ خاں۔

حافظ علی بہادر خاں نے بمبئی لوٹ کر خط لکھا کہ سول میرج کا قصہ محض افسانہ ہے، یہاں مَیں نے تحقیق کی ہے، قائداعظم نے رتن بائی کو باقاعدہ مسلمان کیا اور دونوں کا نکاح ہُوا تھا، حافظ جی نے نکاح کی نقل بھجوا دی، لیکن مظہر علی اپنی اس اچھوتی بانگی کو واپس لینے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہ ہوتے، مشہور کالم نویس میاں محمد شفیع المعروف م ش اُن دنوں ڈان کے وقائع نگار تھے، انہوں نے سول کے پرانے فائل تلاش کیے اور ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے حوالے سے قائداعظم کے نکاح کی خبر نکال لی، اس خبر میں واضح طور پر درج تھا کہ سرڈنیشا ٹیٹ کی بیٹی رتن بائی نے خلافت مسجد میں اسلام قبول کیا اور مسٹر جناح سے اسلامی اصولوں کے مطابق شادی کر لی ہے ـــــ قائداعظم نے کوئٹہ سے بیان دیا کہ احرار کو میری ذات پر حملہ کرنے کی بجائے میری سیاست سے بحث کرنی چاہیے۔

غرض مظہر علی کی اس غلطی نے احرار کو ایک ایسی آگ میں جھونک دیا جس سے ان کی عزت ہر کہ ومہ کے نرغہ میں آگئی۔

سید عطاءاللہ شاہ بخاری بہت دنوں بعد کہ۔ انتخابی زور بندھ چکا تھا، سرینگر سے واپس امرتسر آگئے، اور گھر میں ٹکے رہے، مظہر علی اور حسام الدین نے بہت چاہا لاہور چلیں۔ راضی نہ ہوتے، ناچار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس انہی کے ہاں بلوایا گیا، شاہ جی پُھٹے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیتے، ان کے لیے الیکشن کا تصور ہی زہر تھا

جب مظہر علی نے بہت اصرار کیا تو کہنے لگے ــــ "تم نے خدا کے اس قہر کو دعوت دے کر احرار کو اس کی بھینٹ کر دیا ہے، جناح کے خلاف شادی کا شوشہ چھوڑ کر اپنی بازی ہار چکے ہو، اس کی عفیفہ اور مرحومہ اہلیہ نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ اتنی مدت بعد اس کا کفن اتارا ہے، سیاست کا مقابلہ سیاست سے کیا ہوتا؟ اب بھی الیکشن سے دست بردار ہو جاؤ ــــــ"

مظہر علی نے کہا ــــ "اب تو آغاز ہو چکا ہے"

"میرے مشورے کے بغیر کوئی آغاز نہیں!" شاہ جی نے کہا

مظہر علی چپ ہو گئے، شاہ جی نے فرمایا:

"مجھے دکھاوے کا امیر شریعت بنا رکھا ہے، مَیں تمہارے کھیتوں کی کھاد ہوں، الیکشن سے دست بردار ہو جاؤ، اخباروں میں بیان دینے کا عادی نہیں لیکن یہاں بیان دینے کو تیار ہوں کہ مَیں نے بطور امیر جماعت کو الیکشن میں حصّہ لینے سے روک دیا ہے ــــــ احرار پہ دوسری شہید گنج کیوں گراتے ہو؟"

مَیں اور قاضی احسان احمد پہلے ہی اس ذہن کے تھے، ہم نے صاد کیا، تھوڑی سی بحثا بحثی کے بعد شیخ حسام الدین، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ اور مولانا مظہر علی راضی ہو گئے، لیکن لاہور پہنچ کر جانے کیا پیچ پڑا کہ مظہر علی پھر گئے، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانہ سے لاہور پہنچے، انہوں نے شاہ جی کو شیشہ میں اتار لیا، اور وہ بجبر و اکراہ انتخاب کے ہمنوا ہو گئے لیکن شرط یہ لگائی کہ اُن امیدواروں کے حلقے میں جائیں گے جن کے پاس احرار کا ٹکٹ ہو گا، اور جو شروع سے احرار کے ساتھ رہے ہیں، پہلا جلسہ امرتسر کے چوک فرید میں ہوا، شاہ جی نے مولانا مظہر علی اظہر سے قطعی مختلف تقریر کی، انہوں نے فرمایا: "مظہر علی نے جن بنیادوں پر انتخابی مہم کا آغاز کیا ہے وہ غلط ہیں"

مجھے ان سے اختلاف ہے، میرا معاملہ سیاسی ہے، قائد اعظم ہندوستان کے مسلمانوں کا حل پاکستان بتاتے ہیں ان کے برعکس میرا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ اس سے حل نہیں ہوگا ـــــ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے، جو مسلمان ہندوستان میں رہ جائیں گے وہ نصف سے کچھ ہی کم ہونگے ان کے لیے ہندوستان میں واقعۃً کوئی جائے پناہ نہ ہو گی، وہ مدت تک عبرت کا نقش بنے رہیں گے، قدرت کارساز ہے اور اللہ کے بھیدوں کو جاننا انسانی اختیار میں نہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے جینا محال ہو جائے گا، اُمراء بہر حال پاکستان چلے آئیں گے، عام لوگ تقسیم و تاراج ہو کر آئیں گے، ہندوستان کے سارے مسلمان پاکستان میں نہیں کھپ سکتے، اور نہ پاکستان انہیں کھپا سکے گا۔

تقسیم ہندوستان ہی نہیں ہوگا پاکستان بھی ہوگا ـــــ ان خیالات کو شرح و بسط سے بیان کرتے ہوئے شاہ جی نے کہا :

"یہ بازار جہاں میں بول رہا ہوں ایک ویرانہ بننے والا ہے، محسوس ہوتا ہے چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے، قافلے آ رہے اور قافلے جا رہے ہیں، ہندوستان مسلمانوں کے لیے ایک زندہ قبرستان ہے"

تقسیم ہوئی تو امرتسر تک کا علاقہ ہندوستان سے جائے گا۔ پاکستان پر رفتہ وہی لوگ قابض ہو جائیں گے جو آج بھی انگریز کے غمخوار و ممکنوار ہیں، یہ امراء کی ایک جنت ہوگی لیکن ننانوے فی صد عوام کے لیے یہی شب و روز ہونگے، اسلام ایک مسافر کی طرح ہوگا،

میں مسلمانوں میں تصادم نہیں چاہتا نقطۂ نگاہ کی بات ہے، قائدِ اعظم مسلمان جماعتوں کی ایک مجلسِ مشاورت بلائیں، مجھے اپنے نقطۂ نگاہ پر قائل کریں تو میں ان کا سپاہی ہو جاؤں گا، مجھے کیا لینا ہے؟ کچھ نہیں

لیکن اس صورت میں ان کی جنگ میں لڑونگا، جنگ مجھ پر چھوڑ دیں ہندؤ سے بھی لڑوں گا اور انگریز سے بھی ـــ قائداعظم بڑے ہیں ہم چھوٹے ہیں لیکن بڑوں کا کام چھوٹوں کو دھتکارنا نہیں سمجھانا ہے"

پہلا موقعہ تھا کہ شاہ جی کسی جلسہ میں ننگے سر آئے تھے، فرمایا:

جب سے میری قوم نے حسین احمد کی پگڑی اُتاری ہے میں نے عہد کیا ہے آئندہ سر پر ٹوپی نہیں رکھوں گا" ـــ واقعہ یہ تھا کہ مولانا حسین احمد مدنی سرحد کے دَورہ سے واپس جا رہے تھے جالندھر اسٹیشن پر بعض لیگی نوجوانوں نے اپنے ایک ساتھی شمس الحق کی معیّت میں مولانا کو بے عزت کیا ان کی پگڑی اُتار لی، طمانچہ مارا اور گالیاں دی تھیں[1]۔

دوسرا واقعہ جو شاہ جی نے بیان کیا، سری نگر کا وہ مظاہرہ اور سلوک تھا جو علی گڑھ کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کو وہاں پیش آیا تھا۔ شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے مولانا کا جلوس نکالا، مولانا کشتی میں سوار تھے کہ لیگ کے ہزاروں ہم نواؤں نے دھاوا بول دیا، پتھراؤ کیا، کالے جھنڈے دکھلائے، گالی گفتار کی، شاہ جی نے فرمایا: مظاہرین مولانا کی ناؤ اُلٹا کر انہیں ڈبو دینا چاہتے تھے لیکن نیشنل کانفرنس کے

---

[1] ہمارے ایک دوست ڈاکٹر اکرام الحق قریشی جالندھر میں لیگ کے پُر جوش کارکن تھے۔ حمید نظامی مرحوم کے کلاس فیلو ہیں ان کا بیان تھا کہ شمس الحق اپنے اس کارنامہ کا کریڈٹ لینے کے لئے مولانا عظامی کے ہاں پہنچا وہ اُن دنوں مقامی لیگ کے نائب صدر تھے، مولانا عظامی واقعہ سن کر کانپنے لگے، بار بار پوچھتے واقعی تم نے یہی کیا ہے؟ کہنے لگے: میاں! جس نے حسین احمد کے ساتھ یہ کیا ہے اُس کی تو نعش بھی نہیں ملے گی، سب کو معلوم ہے کہ شمس الحق پاکستان آکر قتل ہو گیا اُس کی نعش تک نہ ملی، بلکہ معمّہ ہی رہا، اس کا دوسرا ساتھی مہاجرت کے دنوں بیاس میں ڈوب گیا۔

رضاکاروں نے زبردست مدافعت کی اور مولانا بال بال بچ گئے، مولانا کو ختم کر دینے کی یہ سازش لاہور میں تیار کی گئی، اس کے محرک و مؤید دو نامور لیگی نوجوان تھے، دونوں ہی پاکستان بنا تو لیگ کی حکومتوں کے معتوب ہو گئے انہیں پاکستان کا سیاسی نقشہ اپنے ان تصورات سے مختلف نظر آنے لگا جن کی خاطر وہ لگاتار جدوجہد کرتے رہے، اور اب "کلمۃ الحق" کی پشتیبانی ان کے لیے سب سے بڑا جرم ہو گئی تھی ــــ اِس ذہنی فضا میں انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔
